Lesson 5: Al-Kahf (Ayaat 60-82): Day 21 سُوْرَۃُ الکھف کی تفسیر

انہی واقعات کی کچھ حکمتیں ہیں۔ پارے کے شروع میں اگر عقل سے سوچا جائے تو یہ پارہ واقعات کے ختم ہونے پر پورا ہونا چاہیے تھا۔ لیکن قرآن پاک کی ترتیب بھی الہامی ہے، اس کے نزول کی طرح۔ جس طرح قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کی مشیت اور اس کی مرضی پہ نازل ہوا تھا، اسی طرح اس وقت جو قرآن ہمیں نظر آرہا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ترتیب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے تمام سوالات کے جواب ملنے سے پہلے پارہ پورا ہو گیا ہے۔ آدھا واقعہ بیان کر کے بیچ میں pause دے دیا گیا۔ حکمت تو اللہ خوب جانتا ہے لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ واقعہ پورا کیے بغیر اگلا پارہ شروع کیا گیا تو یہ بھی انسان کو صبر سکھایا جارہا ہے اور یہ بھی سکھایا جارہا ہے کہ علم کے راستے میں صبر بہت ضروری ہے۔ اگلی آیات کو ہم اکٹھا پڑھیں گے کیوں کہ ان آیات میں ان واقعات کی حقیقت ہے۔

قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴿۷۵﴾

اُس نے کہا "میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے؟

یہاں پر ایک نئی چیز ہے اَلَمۡ اَقُلۡ۔ اسے بڑا سا کر کے لکھیں۔ "کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا" یہ جملہ اُستاد کے منہ سے سُننا کیسا لگتا ہے؟ اور یہ ان سٹوڈنٹ کو سننا پڑتا ہے جو پچھلی بات پر عمل نہیں کرتے۔ کسی بھی طالب علم کے لیے یہ جملہ قابل غور ہے اور اس کے لئے لمحہ فکریہ بھی ہے۔ اچھے طالب علم وہ ہوتے ہیں جو استاد کی بات کو سنتے ہیں اور ہم مان لیتے ہیں۔ اور جو سُست ہوتے ہیں تو وہ اُس میں۔ 1: تاخیر کرتے ہیں۔ 2: وہ اُس میں اپنے خیال کے مطابق کچھ رنگ آمیزی کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ کے کردار پر کوئی بات نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ نبی تھے اور حضرت خضرؑ پر بھی نہیں کی جائے گی کیوں کہ اللہ بہتر جانتا ہے وہ فرشتے تھے یا کیا۔ لیکن ہم اپنے اوپر لے کے بات کریں گے۔ یہ ہماری زندگی کا سبق ہونا چاہیئے کہ کبھی بھی میرے اُستاد کو مجھ سے اَلَمۡ اَقُلۡ نہ کہنا پڑے۔

قَالَ اِنۡ سَاَلۡتُكَ عَنۡ شَیۡءٍۢ بَعۡدَهَا فَلَا تُصٰحِبۡنِیۡ ۚ قَدۡ بَلَغۡتَ مِنۡ لَّدُنِّیۡ عُذۡرًا ﴿۷۶﴾ موسیٰؑ نے کہا "اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں لیجیے، اب تو میری طرف سے آپ کو عذر مل گیا"

بہت قابل غور جملہ ہے۔ استاد نے یہ بالکل نہیں کہا تھا کہ اب اس کے بعد اگر کوئی سوال کیا تو میں آپ کو نکال دوں گا۔ یہاں موسیٰ علیہ السلام کی بے صبری دکھائی گئی ہے، اور شاگردوں میں یہ بے صبری ہوتی ہے۔ جیسے بچوں میں ہوتی ہے کہ چھوٹی سی چیز نہ ملنے پہ رونے لگتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو یہ جملہ نہیں بولنا چاہیے تھا۔ آپ اسے تصور میں لائیں۔ ایک شاگرد ہے اُس سے غلطی ہو گئی ہے۔ غلطی ہو جاتی ہے، اور وہ شاگرد یہ کہے کہ اچھا اب غلطی ہوئی تو آپ مجھے نکال دینا۔ تو کیا ایک شاگرد کو یہ کہنا چاہیئے۔ بلکہ موسیٰ علیہ سلام کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ اگر آج کے بعد میں پھر آپ سے کوئی سوال کروں تو مجھے اور مہلت دیجئے گا، یا مجھے سزا دیں، سختی کریں لیکن فَلَا تُصٰحِبۡنِیۡ کہنا یہ محرومی کی بات ہے۔ جو لوگ علم کے سفر کی مصیبتیں نہیں برداشت کر پاتے تو یا تو وہ کہہ جاتے ہیں فَلَا تُصٰحِبۡنِیۡ پھر خود ہی فَلَا تُصٰحِبۡنِیۡ پر عمل کر کے، اس سلسلے کو منقطع کر دیتے ہیں۔ شروع میں درخت پر بہت پھل لگتا ہے۔ آم کے درخت میں شروع میں بڑا بور لگتا ہے، یعنی بہت سارا پھل لگتا ہے اور آخر پہ جو پھل آتا ہے وہ بہت کم ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بہت سارا بور راستے میں ہی فَلَا تُصٰحِبۡنِیۡ کہہ جاتا ہے۔ پاکستان میں

جب آم پکنے کا موسم آتا ہے تو آندھیاں چلتی ہیں۔ گرمیوں کے آغاز میں بہت آندھیاں آتی ہیں۔ اصل میں وہ آندھیاں اس لئے آتی ہیں کہ جو کچے پھل ہیں وہ جھڑ جائیں تا کہ بعد میں کسان کو بہت محنت نہ کرنی پڑے کہ خراب، کیڑا لگے آموں کو علیحدہ کرتا رہے گا۔ یہ فطرت کا نظام ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس طرح سے بھی انسان کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا کام بہت سکیور ہاتھوں میں دینا ہوتا ہے۔ جس طرح ہم اپنی قیمتی چیزیں کمزور ہاتھوں میں نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح کا نظام اس دنیا میں رکھا ہوا ہے۔ اپنے لیے دعا کریں کہ میں علم کی تکلیف اور مشقت برداشت کر کے آخر تک پہنچ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ مجھے کہیں بیچ میں کچانہ جھاڑ دینا۔ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا یہ اب اس پہ اور تاکید کر دی۔ عربی میں توکید اور اردو میں تاکید کہتے ہیں۔ سورۃ نحل میں بھی یہی الفاظ پڑھے تھے۔ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا ،

اگر موسیٰ علیہ السلام اتنی بات چپ رہتے تو ہو سکتا تھا اس کے استاد ان کو کنسڈر کرتے۔ لیکن موسیٰؑ کے منہ سے ایک اور جملہ نکل گیا قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا پس آپ میری طرف سے حد عذر کو پہنچ چکے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس کے بعد اگر آپ اپنی صحبت سے مجھے نکال بھی دیں گے تو میں آپ کو الزام نہیں دوں گا۔ یعنی میری طرف سے واقعی آپ کو عذر مل گیا۔ ہو سکتا ہے موسیٰ علیہ السلام اپنے جرم کی شدت کو محسوس کر کے ایسا کہہ رہے ہوں لیکن اگر آپ غور کریں تو اس میں موسیٰ علیہ السلام کا استاد کو جواز دینا ہے کہ میں پھر آپ سے کوئی گلہ شکوہ کوئی نہیں کروں گا ۔ اس کے بعد پھر استاد نے کوئی جملہ نہیں بولا۔

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾

پھر وہ آگے چلے یہاں تک کہ ایک بستی میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں سے کھانا مانگا مگر انہوں نے ان دونوں کی ضیافت سے انکار کر دیا وہاں انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی اُس شخص نے اس دیوار کو پھر قائم کر دیا موسیٰؑ نے کہا "اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اُجرت لے سکتے تھے"

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جو بولتا ہے اس کو خوب بولنے دیں۔ جو کہتا ہے اس کو کہنے دیں، اپنے الفاظ کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ہم عموماً اس موقع پر دو انتہا کا شکار ہوتے ہیں۔

1۔ شاگرد ایک جملہ بولتا ہے، اُستاد آگے سے چار جملے بولتا ہے کہ تم اسی قابل ہو، آگے تمہیں نہیں رکھوں گا یہ ٹون ہوتی ہے۔ یہ رویہ درست نہیں ہے۔

2۔ نہیں نہیں آپ تو ایسے ہیں، چلیں ایسا تو ہو ہی جاتا ہے، مجھے پتا ہے آپکی مجبوری ہے۔ یعنی بالکل منفی جملے۔

یہ دونوں ہی رویے ٹھیک نہیں۔

کوئی غلطی کرے، کیونکہ ہم سب غلطیاں بھی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بخشش کے منتظر بھی ہیں۔ تو میں آگے سے صرف دو حرف لکھتی ہوں "ok"۔ لوگوں کو کچھ دیر اپنی غلطی کے احساس کے بوجھ تلے رہنے دیا کریں۔ اُنہیں بالکل ریلیکس نہیں کر دینا چاہیئے۔ نہ تو خوش کریں اور نہ ریلیکس کریں۔

استاد خاموش ہے اور یہی وقار ہے، یہاں پر اس کو متانت کہا گیا ہے۔ اور آگے پھر سفر شروع ہوا اور یہاں پر ایک خوبصورت رویہ بھی جو استادوں میں ہونا چاہیے وہ کیا ہے؟ کہ "مہلت دینا"۔

پہلی غلطی پر نہیں پکڑا اور دوسری پر بھی نہیں پکڑا اور تیسری غلطی پر بھی جو اس کو نہیں کرنی چاہیے تھی اس پر بھی استاد نے موقعہ دیا۔ اچھے استاد، اچھے ساتھی، اچھے ماں باپ اپنے سیکھنے والوں کو مہلت دیتے ہیں۔ ہر بات پہ ٹوکنا اور دوسرا بالکل ہی نہ ٹوکنا، یہ دونوں ہی ٹھیک نہیں ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ ہر غلطی پر ٹوکنا اور ہر وقت ٹوکنا یہ بھی درست نہیں ہے۔ بچے کو کبھی ہر وقت نہ ٹوکیں۔ اس کو مہلت دیں۔ پہلی غلطی پر دوسری غلطی پر، پھر اُسے اشارہ دیں اور آخر میں صرف ایک لفظ میں اس کو اُس چیز کی اہمیت کا احساس دلا کر آگے چلیں۔ کیوں کہ استاد اور ماں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

فَانْطَلَقَا پس دونوں آگے چلے،

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ، یہاں تک کہ جب وہ دونوں پہنچے ایک بستی والوں کے پاس

ۨ اسْتَطْعَمَآ پیچھے کئی بار یہ بات ہو گئی کہ، اس کا معنی کھانا طلب کرنا ہوتا ہے۔ اَهْلَهَا، اس کے رہنے والوں سے۔ اس دور میں ہوٹل نہیں تھے۔ تو بستی والوں پر لازم ہوتا تھا کہ وہ جو سفر کرتے ہیں ان کو کھانا کھلائیں۔ ہم مہمان نوازی کی جتنی بھی احادیث پڑھتے ہیں، وہ سب اُسی دور کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے تھیں۔ اب بستی والوں نے کھانا نہیں دیا تو انہوں نے خود کھانا مانگا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ کتنی اکھڑ اور بخیل قسم کی بستی تھی۔ فَاَبَوْا انہوں نے انکار کر دیا۔ یعنی سختی سے انکار کرنا، انکار بھی عربی کا ہی لفظ ہے۔ ابی اور انکار میں کیا فرق ہے کہ 'ابی' میں سختی پائی جاتی ہے۔ انھوں نے اس بات سے

انکار کر دیا اَنۡ یُّضَیِّفُوۡہُمَا کہ ان دونوں کی مہمان نوازی کریں۔ یعنی کہنے پر بھی نہیں دیا۔ کسی ایک نے بھی نہیں دیا یہاں لفظ ہے بستی، تو بستی والوں سے اجتماعی بات مراد ہے۔ کسی ایک فرد کی نہیں بلکہ پوری بستی والوں کی بات تھی، پوری بستی میں سے کسی نے بھی عمل نہ کیا تو گویا پوری بستی مجرم ہو گئی۔ استاد کا عمل دیکھیے فَوَجَدَا فِیۡہَا جِدَارًا یُّرِیۡدُ اَنۡ یَّنۡقَضَّ فَاَقَامَہٗ تو ان دونوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی، جو گرا ہی چاہتی تھی، تو اسے خضر علیہ السلام نے سیدھا کر دیا۔ یعنی کہ دیوار گرنے کا ارادہ کر رہی تھی، بالکل جھکی ہوئی، جس کو دیکھ کر لگے کہ یہ ابھی گر جائے گی، تو خضرؑ نے پکڑ کے اس کی مرمت شروع کی اور اس کو سیدھا کر دیا۔ پچھلے دو کام موسیٰ علیہ سلام کی شریعت اور ہر دور کی شریعت کے مطابق صحیح نہیں تھے، اس میں نہ قتل جائز تھا اور نہ ہی کسی کی چیز کو خراب کرنا۔ لیکن یہ عمل خراب نہیں تھا، بلکہ احسان کے درجے پر تھا۔ ی

ہاں شاگرد کی کوتاہ نظری دیکھیں کہ استاد کا عمل احسان کے درجے کا تھا، وہ محسن بننا چاہتا تھا لیکن شاگرد ابھی سمجھا نہیں تھا، تو فوراً ہی موسیٰ علیہ السلام بول اُٹھے قال قَالَ لَوۡ شِئۡتَ لَتَّخَذۡتَ عَلَیۡہِ اَجۡرًا موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت لے لیتے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ٹوکنے کا انداز دیکھئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ آپ دیوار نہ بناتے، یا یہ کہا کہ کیوں بنائی۔ طالب علم، طالبِ ادب ہوتا ہے۔ انہوں نے دیوار کو ٹھیک کرنے کا تو ذکر ہی نہیں کیا۔ انہوں نے دیوار کو سیدھا کرنا یعنی فَاَقَامَہٗ ہو پہ کوئی بات نہیں کی۔ بس اپنی دبی ہوئی آواز میں کہا کہ کرنا تو چاہیے تھا، بہت اچھی بات ہے لیکن آپ کچھ پیسے لے لیتے، کیونکہ انہوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا، تو ہم ان کے اوپر احسان کیوں کریں۔ یہ نبیوں کا ادب ہے، اللہ کے ساتھ بھی اور بڑوں کے ساتھ بھی۔ اور یہ ادب نہ رہے تو

علم ختم ہو جاتا ہے۔ جب اس میں ادب نہ ہو تو علم وبال اور بوجھ بن جاتا ہے۔ پھر بندہ دوسروں کی نسبت خود استاد بننا پسند کرتا ہے۔ کیا اس کے بعد استاد نہ لینے کی حکمت پیش کرتے؟ ذکر ہی نہیں کیا، بغیر وجہ بتائے یہ کہا۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

اُس نے کہا "بس میرا تمہارا ساتھ ختم ہوا اب میں تمہیں ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر تم صبر نہ کر سکے۔

کیوں نہیں بتایا؛ کہ موسیٰ پیچھے کہہ چکے تھے کہ اب اگر اس کے بعد میں پوچھوں تو آپ میری طرف سے عذر پر پہنچ چکے قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ تو پتا چلا کہ شروع میں ڈیٹینشنز ملتی ہیں، ڈانٹ پڑتی ہے، ماں باپ کو بلایا جاتا ہے، لیکن اگر شاگرد خود لکھ دے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ جدائی کا وقت آگیا ہے۔ آپ دیکھیں کہ اگر شاگرد خوبصورت بات کر رہا ہے تو اُستاد کا انداز بھی کمال ہے۔ اپنے آپ کو شاگرد کے ساتھ لے آئے ہیں۔ ادھر مطلب یہ ہے کہ اگر تم ایک استاد سے محروم ہو رہے ہو تو میں بھی ایک شاگرد سے محروم ہو رہا ہوں۔ جانے والا کبھی یہ نہیں سوچتا، سب رشتے، ناتے، تعلق داریاں توڑ کے جب کچھ لوگوں نے جانا ہوتا ہے تو وہ سب سے بات کرتے ہیں لیکن استاد سے نہیں کرتے، یہ بڑے دکھ کی بات ہے اور یہ چوٹ استاد بڑی دفعہ سہتے ہیں۔ تو یہاں استاد اور شاگرد کا تعلق بتایا گیا ہے۔ یہاں اُستاد کا بہترین جملہ ہے هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ۔ بس میرا تمہارا ساتھ ختم ہوا۔

سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا البتہ اب میں آپ کو ان چیزوں کی اصل حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے تنقید کی تو استاد آگے سے کچھ نہیں بولا، لیکن جاتے جاتے اب اس نے کہا کہ چلیں میں جاتے ہوئے آپ کو حکمت تو سمجھا دوں سب باتوں کی۔ آپ ایک اُستاد اور شاگرد کو سوچیں۔ شاگرد جانے لگے اور استاد کہے کہ اچھا اب میں تمہیں وجہ بتاتا ہوں تو شاگرد کہے گا کہ پہلے بتا دیتے تو میں کبھی نہ جاتا۔ بہت گہرائی ہے ان جُملوں میں۔ یعنی یہ قرآن سمندر ہے۔ اس کے اندر جانے کے لئے انسان کے پاس بہت حوصلہ چاہیے۔ اس میں ڈوبنے کے لیے بڑے لنگر چاہیے۔ یعنی اُستاد نے وہ باتیں جاتے ہوئے بتائی ہیں، لیکن موسیٰؑ کچھ نہیں بولے۔ وہ جانتے تھے کہ اُستاد کو بہتر پتا ہے کہ کب بات بتانی ہے۔

اس سے ایک اور بات بھی پتہ چلی کہ ہر بات کی حکمت بتانا ضروری نہیں ہوتی۔